حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کتب خانہ امداد الغرباء
محلہ مفتی سہارنپور
99 271 64925

تقریظ بر ضمیمہ تحفۃ الشیوخ

حضرت اقدس مولانا ومقتدانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلي علی رسولہ الکریم

أما بعد، حضرت والا تھانوی قدس اللہ سرہ کے رسالہ ''تحفۃ الشیوخ'' کی طبعِ جدید کے ساتھ جو ضمیمہ منسلک ہے اس کو مطالعہ کیا۔ ما شاء اللہ اس میں نہایت کارآمد اہم اور ضروری مضامین اکابرِ امت سے جمع کیے گئے ہیں، ان کا مطالعہ خواص وعوام سبھی کے لیے بہت نافع اور مفید ہے۔

حق سبحانہ تعالیٰ اکابر کے ارشادات کو سمجھنے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ناکارہ خادم

ابرار الحق

۱۱/۲، ۹۸[۱۳]ھ

شنبہ

عرضِ مرتب

نحمده و نصلي علی رسوله الکریم.

أما بعد، حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ جن کو ہم اس صدی کا مجدد مانتے ہیں، اور آپ کی سب سے بڑی خصوصیّت یہی ہے کہ دین کے جس شعبے میں جہاں کوئی خرابی نظر آئی، آپ نے اس پر ضرور تنبیہ فرمائی اور تقریراً وتحریراً اس کی جانب متوجہ فرمایا، جیسا کہ حضرت قدس اللہ سرہٗ کی تصانیف ومواعظ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ خصوصاً رسوم وبدعات کی تو ایسی بیخ کنی فرمادی ہے کہ اب صدیوں کسی کو قلم اٹھانے کی ضرورت باقی نہیں۔ البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تعلیمات کو امت کے سامنے پیش کیا جاتا رہے۔ اللہ تعالیٰ ان علوم کو تا قیامت زندہ رکھے اور امت کی ہدایت کا ذریعہ بنائے، اور ہر دور میں اہلِ حق کی ایک جماعت کو باقی رکھے جو ان تعلیمات کو امت کے سامنے پیش کرتی رہے۔

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ کے ان ہی تجدیدی کارناموں میں سے ایک گراں قدر کارنامہ پیشِ نظر رسالہ بھی ہے، جس کو ۱۳۳۷ھ میں خانقاہ تھانہ بھون میں اشرف المطابع سے حضرت مولانا شبیر علی صاحب رحمہ اللہ نے ''تحفۃ الشیوخ'' کے نام سے شائع کیا تھا۔

چوں کہ یہ رسالہ عرصہ سے نایاب تھا اور اپنے مضامین کے لحاظ سے نہایت اہم اور بہت ہی مفید ہے، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ دوبارہ اس کی اشاعت کردی جائے، تاکہ جن کوتاہیوں پر حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ نے تنبیہ فرمائی ہے کم ازکم ان کا علم تو ہوجائے، پھر عمل کی بھی توفیق ہوجائے گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان تعلیمات کو سمجھنے اور ان کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نوٹ: بعض عبارات کے ترجمے اور ''ضمیمہ تحفۃ الشیوخ'' کے علاوہ پورا مضمون بعینہ وہی ہے جو اشرف المطابع تھانہ بھون سے شائع ہوا تھا۔ بعض سرخیاں بعد میں قائم کی گئی ہیں۔

والسلام

عماد احمد عفی عنہ

تمہید رسالہ تحفۃ الشیوخ

تھانہ بھون کے قیام میں ایک صاحب پنجاب کے بھی تشریف فرما تھے، وہ اپنے ملک کے شیوخ پر یہاں کی حالت دیکھ کر بہت نالاں تھے۔ من جملہ ان کی بہت سی باتوں کے ایک یہ بھی شکایت تھی کہ وہاں کے مشائخ اور اکابر کی بالعموم یہ حالت ہے کہ جب کوئی شخص ان کی دعوت کرتا ہے تو کثرت سے لوگوں کو اپنے ساتھ بلا مدعو کیے لے جاتے ہیں۔ اور میں نے بھی یہ مرض بعض جگہ دیکھا ہے، اور غالباً وہ اس کو مرض نہیں سمجھتے، اس لیے میں نے جناب سید مولانا مولوی احمد حسن صاحب سے بہ طورِ استفسار کے عرض کیا تو جناب ممدوح نے اپنی عنایت سے کچھ کلماتِ نبویہ جو اس کی حرمت میں ثابت ہیں، نہایت تحقیق اور آپکی اسناد کے ساتھ تحریر فرما کر بندے کو طبع کرانے کی اجازت دی۔ میں امید کرتا ہوں کہ دیکھنے والے حضرات سائل اور مجیب دونوں کے حق میں دعا فرماویں گے، اور حضور ﷺ کے ارشاد کے موافق عمل کر کے اپنی دنیا وآخرت کی سعادت مندی حاصل کریں گے۔

اور ان ہی پنجابی صاحب نے کچھ اور خرابیوں کے متعلق پوچھا تھا، جس پر یہاں خانقاہ امدادیہ سے بہ صورت ایک چھوٹے رسالے کے جواب لکھا گیا تھا، جس کا نام ''تحفۃ الشیوخ'' رکھ دیا گیا تھا۔ چوں کہ وہ مضمون بھی نافع تھا، بندہ نے اس کو بھی اس کے ساتھ منضم کر دینا مناسب سمجھا، اور اس مجموعے کا نام ''تحفۃ الشیوخ'' رکھ دیا۔ اول مولانا احمد حسن صاحب کا جواب اور اس کے بعد ''رسالہ سجادہ نشینی'' لکھا جاتا ہے۔

کتبہ

خادم عبد الرحمٰن الحمید محمد عبد المجید بچھرایونی عفا اللہ عنہ

استفسار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم.

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائلِ ذیل میں:

اول: کوئی عالم یا درویش کسی شخص کے یہاں دعوتِ طعام میں اپنے طلبا یا مریدوں کو، یا کوئی راستے میں ان صاحبانِ مذکور کو مل جاوے تو اس کو بلا اجازتِ صاحبِ خانہ کے وہاں لے جاویں، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور ان لوگوں کو کھانا کھانا اور صاحبِ خانہ کے یہاں کھانے کے وقت جانا جائز ہے یا نہیں؟ خصوصاً جب کہ بعض اوقات اس کی وجہ سے ایسی صورتیں بھی ان لوگوں کو پیش آچکی ہوں کہ بلانے والے سخت پریشان اور شرمندہ ہو کر اپنے گھروں میں چھپ گئے ہوں ندامت کی وجہ سے۔

اور اگر یہ کہا جاوے کہ صاحبانِ مذکور کے برکات وتصرفات ایسے عام ہیں کہ کھانے میں اس قدر برکت ہوگی، تو صورتِ بالا کیوں پیش آتیں؟ یا یہ کہا جاوے کہ صاحبانِ مذکور کی محبّت لوگوں کے قلوب میں اس قدر ہے کہ ان کے خلاف پر قدرت نہیں، تو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اس امر کا سب سے زیادہ خیال کرنا چاہیے تھا، اور آپ صاحبانِ مذکور سے زیادہ احق تھے کہ لوگوں کی بلا اجازت ان کے گھروں پر مساکین اور امرا کو کھانا کھلانے لے جایا کرتے، حالاں کہ آپ سے استفسار اور صحابہ سے انکار ثابت ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں مذکور ہے، خاص کر ایسے موقع پر جب کہ کھلانے والے صاحبانِ مذکور سے ان وجوہات سے ایسے بددل ہوں کہ وہ گاہے بگاہے قُرق امین وتحصیل دار یا بے پروا وغیرہ کے الفاظ سے یاد کریں۔

دوم: یہ کہ جن مواضع یا قصبات میں اکثر زراعت پیشہ لوگ موروثی زمینوں میں کاشت کرتے ہیں تو ایسی جگہ ہدایا پیش کرنے کے وقت دریافت کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ خصوصاً ایسے

لوگوں کو جو بزرگ، واعظ اور پیشوا کہلائے جاتے ہوں اور لوگوں کو ان کے افعال اور اقوال کا غالب سنت ہونا معلوم ہو، خاص کر توکل کا پہلو غالب ہو، تو ایسی صورت میں ایسے ہدایا کا قبول کرنا اور نہ دریافت کرنا کیسا ہے؟

سوم: یہ کہ کیا مسائلِ بالا کے ارتکاب پر کسی کو متنبہ کر دیا جائے تو اس میں کچھ حرج ہے؟ اور صاحبانِ مذکور کو یاد دلانے والے کا احسان ماننا چاہیے اور ان وجوہ پر اپنی غلطی سمجھ کر تسلیم کرنا چاہیے، یا اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر اور یہ خیال کر کے کہ ہم بڑے لوگوں کے صحبت یافتہ اور مرجعِ خلائق ہیں، کسی نے ہماری غلطی نہیں پکڑی، تو کیا یہ دعویٰ صحیح سمجھ کر اس کو معذور سمجھا جاوے گا یا نہیں؟

فقط والسلام

الأجوبة

اول

١. عن ابن عباس رضي الله عنهما مرفوعًا في حديث طويل: وَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ مِنْ مَالِ أَخِيهِ إِلَّا مَا أَعْطَاهُ عَنْ طِيبِ نَفْسٍ. (رواه الحاكم أو في كنز العمال: ١/ ٤٧) وإسناده صحيح على قاعدة كنز العمال.

٢. عن أبي حميد الساعدي رضي الله عنه مرفوعًا: لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ أَنْ يَأْخُذَ عَصَا أَخِيهِ بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ. وذلك لشدة ما حرَّم الله مال المسلم على المسلم. رواه ابن حبان في صحيحه والبيهقي، كذا في التلخيص. (٢/ ٢٥٠)

٣. عن ابن عبد الله بن السائب عن يزيد، عن أبيه، عن جده مرفوعًا: لا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مَتَاعَ أَخِيهِ لَاعِبًا وَلَا جَادًّا الحديث: رواه أبو داود والترمذي والبيهقي، وإسناده حسن، كذا في التلخيص الحبير. (٢/ ٢٥٠)

٤. عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: مَنْ دُعِيَ فَلَمْ يَجِبْ فَقَدْ عَصَى اللهَ ورسوله، وَمَنْ دَخَلَ عَلَى غَيْرِ دَعْوَةٍ دَخَلَ سَارِقًا وَخَرَجَ مُغِيرًا. رواه أبو داود عن درست بن زياد، والجمهور على تضعيفه. ورواه أبو زرعة عن أبان بن طارق، وهو مجهول. قاله أبو زرعة وغيره، كذا في الترغيب: ٣٧٨. قلت: ضعفه غير مضر في هذا الموضع؛ فإنه نقل الاعتضاد، والمقصود قد ثبت بالأحاديث التي ذكرت قبل.

ترجمہ حدیث ا: ”کسی شخص کو اپنے بھائی (مسلمان) کے مال میں سے کچھ بھی حلال نہیں، مگر جس قدر کہ اس نے اس (شخص) کو بطیّب خاطر دے دیا“۔ (صرف وہ مال حلال ہے۔) اس کو حاکم نے بہ سند صحیح روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ کسی کا مال بغیر اس کی طیبِ خاطر اور خوشئ دل کے

حلال نہیں ہوسکتا، پس دعوت میں بغیر بلائے خود جانا اور وہاں جا کر کھانا، یا کسی اور کو اپنے ہمراہ لے جانا چوں کہ داعی کی طیبِ خاطر سے نہیں ہوتا، جیسا کہ ظاہر اور مشاہد ہے، اس لیے حرام ہوگا، خصوصا جب کہ اس ناخوشی کا اظہار ہو بھی چکا ہو۔ اور اگر بعض اوقات کوئی شخص دنیا کی شرم سے باوجود گرانی قلب کے کھانے کی اجازت دے دے تو یہ اجازت حلتِ طعام کے لیے کافی نہ ہوگی، کیوں کہ یہ جبر ہے اور طیبِ خاطر نہیں ہے، اور جب تک طیبِ خاطر متیقن نہ ہو جائے اس وقت تک اس کھانے کی حلت ثابت نہ ہوگی۔ اور حضراتِ مقتدایانِ قوم کی شان سے تو اس فعلِ شنیع کا ارتکاب شرعاً وعقلاً وعرفاً نہایت قبیح ہے اور موجبِ فتنہ ہے:

چوکفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

بہ نیم بیضہ چو سلطان ستم روا دارد

زنند لشکریانش ہزار مرغ بہ سیخ

ترجمہ: بادشاہ اگر نصف انڈا ظلماً لینے کو روا رکھے گا تو پھر لشکری لوگ ہزاروں مرغ سیخ پر لگا کر کھا ڈالیں گے۔

اور فعل ان کا:

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

ان حضرات کو تو اعلیٰ درجہ کا اتباعِ سنت وشریعت مناسب ہے۔ اور آدمی جس گروہ کی طرف منسوب ہو، مثلاً: حضراتِ صوفیا کی طرف، اور سیرت میں ان کی مخالفت کرے تو وہ مخادع ہے۔

ترجمہ حدیث ۲: ''کسی شخص کو حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی (مسلمان) کا عصا لیوے بغیر اس کی طیبِ خاطر کے''۔ اور یہ بسبب شدت حرام کر دینے اللہ تعالیٰ کے ہے ایک مسلمان کے مال کو دوسرے مسلمان پر۔ اس کو ابنِ حبان نے اپنی صحیح میں اور بیہقی نے روایت کیا ہے، جیسا کہ ''تلخیص حبیر'' میں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ایک مسلمان کا مال دوسرے مسلمان پر نہایت ہی سختی سے

حرام کیا ہے، حتی کہ یہ بھی اجازت نہیں دی کہ ایک کا عصا دوسرا بغیر اس کے طیب خاطر کے لے لیوے، حالاں کہ عصا کا لے لینا اکثر عارضی طور پر ہوتا ہے اور پھر واپس کر دیا جاتا ہے۔ نیز اکثر عصا زیادہ قیمتی بھی نہیں ہوتے، مگر پھر بھی اس کے باب میں اس قدر شدت سے کام لیا گیا، پس تمہارا کیا گمان ہے ان اموال کے باب میں جن کا کہ دوامی طور پر لینا مقصود ہو اور زیادہ قیمت کے بھی ہوں، وہ تو نہایت شدید حرمت رکھتے ہیں۔

ترجمہ حدیث ۳: ''تم میں کا کوئی شخص اپنے بھائی (مسلمان) کا متاع نہ بطریقِ لعب کے لیوے اور نہ بطریق جد کے''۔ اس کو ابوداؤد اور ترمذی اور بیہقی نے روایت کیا ہے، اور بیہقی نے حسن بھی کہا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی کوئی چیز اٹھا لینی، خواہ بطریقِ کھیل کود اور بطریقِ ہنسی کے ہو، کہ اس صورت میں واپس کر دینے کی نیت ہوتی ہے اور اس کا رکھ لینا مقصود نہیں ہوتا۔ یا بطریقِ لہو ولعب نہ ہو، بلکہ واقعی طور پر اور حقیقتاً لینا مقصود ہو، ہر طرح ناجائز ہے۔

اس حدیث میں کس سختی سے دوسرے کے مال میں دست اندازی سے منع کیا گیا ہے کہ بطریقِ لہو ولعب اور ہنسی سے بھی کسی کا مال اٹھا لینا ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

ترجمہ حدیث ۴: ''جو شخص کھانے کے لیے بلایا گیا (یعنی اس کی دعوت کی گئی) اور اس نے دعوت قبول نہ کی تو اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔ اور جو شخص بغیر دعوت پہنچ گیا تو چور ہو کر داخل ہوا اور لٹیرا ہو کر نکلا''۔ (اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔)

۵. عن ابن مسعود الأنصاري قال: كان رجل من الأنصار يقال له: أبو شعيب، وكان له غلام لحّام، فرأى رسول الله ﷺ، فعرف في وجهه الجوعَ، فقال لغلامه: ويحك، اصنع لنا طعاما لخمسة نفر؛ فإني أريد أن أدعو النبي ﷺ خامس خمسة. قال: فصنع، ثم أتى النبي ﷺ فدعاه خامس خمسة، واتبعهم رجل، فلما بلغ الباب قال النبي ﷺ: إِنَّ هٰذَا اتَّبَعَنَا، فَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَأْذَنَ لَهُ، وَإِنْ شِئْتَ رَجَعَ. قال: لا، بل آذن له يا رسول الله ﷺ. (رواه مسلم: ۲/ ۱۷۶)

یہ حدیث ''صحیح مسلم شریف'' کی ہے اور اس میں ایک شخص کا حضور ﷺ کے ہمراہ دعوت کھانے کے لیے جانا اور پھر حضور ﷺ کا صاحبِ خانہ سے یہ فرمانا مذکور ہے کہ ''یہ شخص ہمارے ساتھ ہولیا ہے، اگر تم اجازت دو تو ٹھہر جاوے (اور کھانا کھالیوے)، اور اگر تم اس کو لوٹانا چاہو تو لوٹ جاوے''۔ اس کے بعد ان صاحبِ خانہ کا اجازت دے دینا مذکور ہے۔

غور کرنا چاہیے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضراتِ صحابہ کو کس قدر تعلق تھا اور وہ حضرات کیسے جاں نثار تھے! مگر پھر بھی رسولِ مقبول ﷺ نے یہ خیال نہ کیا (کہ ایک شخص کا کھلانا میرے ساتھ کیا ناگوار ہوگا! پس دریافت کرنے کی کیا حاجت ہے؟)، بلکہ تصریح کے ساتھ اصل واقعہ ظاہر کر دیا، اور اجازت دینے کی رغبت نہیں دلائی، بلکہ صاف طور پر اختیار دے دیا کہ خواہ ان کو کھانا کھانے کی اجازت دے دو یا نہ دو، خوب سمجھ لو۔

۶ **عن أنس ﷺ: أن جارا لرسول اللہ ﷺ فارسیا، کان طیب المرق، فصنع لرسول اللہ ﷺ، ثم جاء یدعوہ، فقال: "وھذہ؟" لعائشۃ. فقال: لا. فقال رسول اللہ ﷺ: "لا". فعاد یدعوہ، فقال رسول اللہ ﷺ: "وھذہ؟" قال: لا. قال رسول اللہ ﷺ: "لا". ثم عاد یدعوہ، فقال رسول اللہ ﷺ: "وھذہ؟" قال نعم، في الثالثۃ، فقاما یتدافعان، حتی أتیا منزلہ.** (رواہ مسلم: ۲/ ۱۷۶)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک پڑوسی فارسی اچھا شوربا پکاتے تھے، تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے (ایک روز شوربا) تیار کیا، پھر آپ کو کھانے کے لیے بلانے آئے، تو آپ نے فرمایا: ''اور یہ؟'' اور اشارہ فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف، (یعنی کیا ان کی بھی دعوت ہے؟) تو انھوں نے عرض کیا: نہیں۔ تو جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(ہم بھی دعوت) نہیں (قبول کرتے)'' پس وہ (چلے گئے، پھر) آپ کی دعوت کرنے کے لیے لوٹے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اور یہ؟'' (عائشہ رضی اللہ عنہا بھی مدعو ہیں، یعنی کیا ان کی بھی دعوت ہے؟) انھوں نے عرض کیا: نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(ہم بھی دعوت) نہیں (قبول کرتے)'' وہ صحابی (چلے گئے)، پھر آپ ﷺ کی دعوت کرنے کے لیے

واپس ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''اور یہ؟'' (عائشہ بھی مدعو ہیں؟) انھوں نے عرض کیا: جی ہاں۔

پس[1] حضور ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں ایک دوسرے کے پیچھے چلنے لگے۔

صاحبو! تامل کرو، باوجود حضور ﷺ کے اپنی محبوبہ زوجہ کی دعوت کے بارے میں دریافت کرنے کے ان صحابی رضی اللہ عنہ نے چند بار انکار فرمایا، پھر آج کس کا حوصلہ ہے کہ علی الاطلاق اپنے متعلّقین کو دعوت کرنے والے کے گھر لے جاکر اس کے گھر کی صفائی کردے اور یہ دعویٰ کرے کہ دعوت کرنے والا اس پر راضی ہے، پوچھنے کی کیا حاجت ہے؟

صاحبو! ایسا موقع بہت کم ہوتا ہے جو داعی اس زیادتی کو خوشی سے گوارا کرے، اس لیے لازم ہے کہ ہر جگہ صریح اجازت لے لی جاوے اور صاف صاف کہہ دیا جاوے کہ اگر تم انکار کروگے تو ہم ہرگز برا نہ مانیں گے، اور اسی طرح اجازت سے بھی وہاں لے جاوے جہاں یہ یقین ہو کہ داعی اس پر دل سے عمل کرے گا اور تصنّع کرکے اور فقط کہہ دینے سے دب کر بلا طیبِ خاطر اجازت نہ دے گا۔

اور مناسب تو اس زمانے میں یہی ہے کہ کسی کو بغیر بلائے ہمراہ نہ لے جاوے۔ اور عجب نہیں کہ جو حضرات اس فعلِ شنیع کے مرتکب ہوتے ہیں اس کے اندر مادہ خفیہ حبِ جاہ کا ہو اور اس زیادتی جلسہ سے اشتہار مقصود ہوتا ہو، شان وشوکت کے ساتھ جانا مطلوب ہوتا ہو، ایک دو آدمی کے ساتھ یا تنہا جانا خلافِ شان معلوم ہوتا ہو۔ تو اگر یہ بات ہے تو یہ خود ایک (مستقل) باطنی مرض ہے۔ دوسروں کی اصلاح اور دعوت کھانے اور کھلوانے سے پہلے اپنے اس مرضِ قبیح مہلک کی اصلاح کرنا لازم ہے۔ **واللہ الهادي۔**

دوم: حقِ موروثی شرعاً ظلم ہے، اس لیے جہاں اس کا چرچا ہو وہاں اس کی تحقیق کرلینا واجب ہے۔ جب تحقیق سے ثابت ہو جاوے کہ دعوت یا ہدیہ کا مال طیب اور حلال ہے اس وقت دعوت اور ہدیہ کا قبول کرلینا جائز ہوگا۔

---

[1] صحابی کا انکار غالباً کھانا کم ہونے کی وجہ سے تھا، اور حضور ﷺ کا انکار بغیر اپنے اہل کے کھانا کھانا (جب کہ اہل کو حاجت ہو)، بے مروتی ہونے کی وجہ سے تھا۔

سوم: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر شعائر دین سے ہے، اس کا فاعل اجرِ عظیم کا مستحق ہے۔ ہاں اگر کچھ اثر ہونے کی امید نہ ہو اور فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو سکوت انسب ہے۔ اور کسی عالم یا درویش کی صحبت میں رہنا عصمت نہیں پیدا کر دیتا، بلکہ صحبت یافتہ حضرات تو بوجہِ استعدادِ تام کے اوروں سے زیادہ اپنے کو قابلِ اصلاح اور محتاجِ نصیحت اور اپنے کو سب سے بدتر سمجھتے ہیں:

ما نصیحت بجائے خود کردیم
روزگارے دریں بسر بردیم
گر نیاید بگوش رغبت کس
بررسولاں بلاغ باشد وبس

کتبہ

العبد الضعیف السید أحمد حسن
السنبھلی ثم التھانوي
۱۹/ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۷ھ

رسالہ سجادہ نشینی

تمہید

بعد حمد وصلوٰۃ کے یہ احقر الوریٰ اشرف علی تھانوی عفی عنہ مظہر مدعا ہے کہ شاذ ونادر ایسے لوگ ہوں گے جو ''سجادہ نشینی'' کے عنوان ومعنون سے بوجہ غایت درجہ کی شہرت وشیوع کے آگاہ نہ ہوں، مگر وہ آگاہی علم بوجہہ کے درجہ سے زائد نہیں، اور اسی وجہ سے اس کے آثار ولوازم کی طرف باوجود یہ کہ اکثر ان میں سے مشاہد ہیں، التفات نہیں کیا جاتا، اور مفاسد سے بچانے کے لیے اس طرف ملتفت کرنا ضروری تھا، اس وجہ سے بعض خیر خواہانِ دین کے اشارہ سے بقدرِ ضرورت ان پر متنبہ کرتا ہوں۔ گو ضمیمہ اصلاح الرسوم کی فصلِ دوم میں کسی قدر اس سے تعرض کیا گیا ہے، مگر اس میں اس کی سب صورتوں کا استیعاب نہیں ہے، اس لیے اس پر اضافہ کی حاجت معلوم ہوئی۔ سو وہ صورتیں اب معروض ہوتی ہیں۔

سجادہ نشینی اور جانشینی کی تین صورتیں

صورتِ اول: وہی ہے جس کا ذکر ''اصلاح الرسوم'' میں ہے، اس کی تحقیق کے لیے اسی کی عبارت نقل کیے دیتا ہوں، **وھو ھذا**:

فصلِ دوم: ایک رسم یہ ہے کہ جب کسی شیخ کی وفات ہوئی اس کے مریدوں نے جمع ہوکر اس کے کسی بیٹے کو یا خادم کو سجادہ نشین کر دیا اور سند کے لیے دستار بندی کر دی، خواہ اس میں اہلیت ہو یا نہ ہو۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ جو لوگ ابھی خود اس راہ سے ناآشنا ہیں ان کی اجازت کہاں تک قابلِ اعتبار ہو سکتی ہے؟

یاد رکھنا چاہیے کہ ایسے رسمی سجادہ نشین سے جو لوگ بیعت ہوں گے ان سب کی گمراہی کا وبال اس سجادہ نشین کے برابر ان اربابِ جلسہ کو بھی مل جاوے گا، کہ یہ لوگ بانیِ ضلالت ہوئے۔

حدیث شریف میں علاماتِ قیامت سے آیا ہے کہ ''لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے، وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اوروں کو بھی گمراہ کریں گے''۔ اس لیے سمجھ لینا ضروری ہے کہ جب تک کوئی شیخِ کامل جامع شریعت وطریقت جس کو اس زمانے کے اچھے لوگوں نے اہل مان لیا ہو، اجازت نہ دے بیعت لینے پر جرأت نہ کرنا چاہیے۔

صورتِ ثانی: جس کو عرفاً صورتِ اول سے زیادہ مستند اور معتبر سمجھا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ بجائے مریدوں کے سجادہ نشین مشائخ یہی رسم ادا کرتے ہیں۔ اس کی تحقیق کے لیے ''اصلاح الرسوم'' کے بابِ سوم کی فصلِ ہشتم کی عبارت کا جو کہ مدارسِ عربیہ کی رسمِ دستار بندی کے متعلق ہے، نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں، کہ حالت ان دونوں کی مماثل ہے اور محذورات دونوں میں مشترک ہیں، **وھو ھذا**:

فصلِ ہشتم: من جملہ ان رسوم کے بعض مدارس کی یہ رسم ہے کہ طالب علم نے کتابیں پڑھ لیں، خواہ اس کو استعداد ہو یا نہ ہو اور خواہ اپنے علم کے موافق عامل ہو یا نہ ہو، اس کو سندِ فضیلت دے دیتے ہیں اور دستار بندی کر دیتے ہیں۔ غور کرنا چاہیے کہ رسمِ دستار بندی واقع میں اساتذہ اور

مشائخ کی طرف سے عوام کے روبرو اس امر کا اظہار اور شہادت ہے کہ یہ شخص ہمارے نزدیک اس قابل ہے کہ دین میں اس کی طرف رجوع کیا جائے اور اس سے مسائل پوچھ کر عمل کیا جاوے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ شخص آج سے مقتدائے دین ہے۔ جب حقیقت اس کی یہ ہے تو جو شرائط شہادت کے ہیں وہ اس میں ہونا واجب ہے، اور شہادت کی بڑی شرط یہ ہے کہ شاہد کو اس امر کا پورا علم اور یقین ہو جس کی شہادت دے رہا ہے، تاکہ اس کو جھوٹ کا گناہ اور دوسروں کو دھوکہ دینے کا گناہ نہ ہو اور کسی کو اس سے ضرر نہ پہنچے۔

اسی طرح یہاں بھی اس شخص کی نسبت پوری تحقیق ہونا چاہیے کہ قابل مقتدا فی الدین بننے کے ہے یا نہیں۔ اگر علمائے حاضرین کو اس پر پورا اطمینان ہو اور اس کی حالتِ علمی و عملی قابلِ قناعت ہو تو دستار بندی بہت خوب رسم ہے کہ اس میں اظہار ناواقفوں کے روبرو ہو جاتا ہے، بشرطیکہ تکلفاتِ زائد جس میں ریا واسراف لازم آوے، نہ کیے جاویں۔

بلکہ اگر واعظوں کے لیے بھی کوئی ایسی شرط ہو جاوے کہ بلا امتحان وسندِ علما کے وعظ نہ کہنے پاویں، اور عوام بھی بدون پیش کرنے سند کے کسی اجنبی کا وعظ نہ سنا کریں، تو بڑی ضروری و مصلحت کی بات ہے۔ اس سند و دستار بندی کی یہ حکمت ہے۔ اور بدون اہلیت کے ہرگز دستار بندی نہ کی جاوے، نہ سند دی جاوے، کہ بجز اضلالِ خلق اس کا اور کیا ثمرہ ہے۔

صورتِ ثالث: جو سب سے زیادہ موثوق و حجت سمجھی جاتی ہے، وہ یہ کہ بجائے دوسرے سجادہ نشین مشائخ کے خود شیخ خواہ انفراداً خواہ دوسرے مشائخ کی شرکت سے اپنے کسی مرید کو خصوص جب کہ وہ کچھ قرابت بھی رکھتا ہو، اپنی جگہ سجادہ نشین کر دے اور دوسرے مریدوں کو اتباع واطاعت کا حکم دے۔ اس صورت میں اس شیخ کے مریدین و معتقدین تو علی الاطلاق اور دوسرے لوگ بحالت اس شیخِ مستخلف کے اہل اور بزرگ ہونے کے اس خلیفہ کے متعلق کسی طرح کا شک وشبہ دل میں نہیں لاتے اور آنکھ بند کر کے اس کو متبوع و مطاع سمجھتے ہیں۔

یہ کل تین صورتیں ہیں، اب ہر صورت میں دو شقیں ہیں: ایک یہ کہ اس سجادہ نشین میں اہلیت اس کی نہ ہو، سو پہلی دو صورتوں کی اس شق کا حکم فصلَینِ مذکورین سے تصریحاً معلوم

ہو چکا، اور تیسری صورت کی اس شق کا حکم انھیں فصلوں سے باشتراکِ علت معلوم ہو گیا۔ اور یہ حکم مذکور صرف اس تقدیر پر ہے جب کہ بجز **عدم صلاحیۃ للتربیۃ والإرشاد** کے اس سجادہ نشین میں اور کوئی خرابی نہ ہو، اور اگر کچھ اور خرابیاں بھی ہوں تو **ظلمات بعضها فوق بعض** کا مصداق ہوگا۔ اور یہ خرابیاں بھی بہ کثرت ایسے لوگوں میں پائی جاتی ہیں، چناں چہ ایک تجربہ کار نے اس عبارت سے نقل کیا ہے۔

جانشینی وسجادہ نشینی کے بیس مفاسد

بعض اطراف میں رسمی پیری مریدی کا سلسلہ مشائخِ طریقت کی اولاد واقارب نے بہ کثرت جاری کر رکھا ہے، اور چوں کہ اکثر ان میں محض نااہل ہوتے ہیں، لہٰذا ان کی وجہ سے بدعاتِ شنیعہ وعاداتِ قبیحہ میں ساری دنیا مبتلا ہے **إلا ما شاء اللّٰه**۔ اور سجادگانِ مشائخ بوجہ دنیا طلبی کے اپنے معتقدین کو اتباعِ سنت کی ترغیب وتحریص تو درکنار، بلکہ خلافِ شریعتِ حقہ مختلف بدعات میں مبتلا پا کر تائید وتشدید کرتے ہیں۔

اقسامِ بدعات: جن مفاسد میں مبتلا ہیں ان میں سے بعض امور بطورِ نمونہ بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ پابندیٔ صوم وصلوٰۃ میں تساہل کرنا۔

۲۔ ہر سال قبورِ مشائخ پر بہ طورِ میلہ جمع ہونا، جو کہ مفاسد کا مجموعہ ہے۔

۳۔ بعض مقامات میں مرد وعورت کا اختلاط اور طوائف کا گانا بجانا اور مختلف قسم کے لہو ولعب کے سامان کی جمعیّت۔

۴۔ ایسے مجمع کو باعثِ قرب سمجھنا۔

۵۔ اپنے پیر کو نفع ونقصان کا مالک اور عالم الغیب سمجھنا۔

۶۔ زندہ اور مردہ پیروں کو سجدہ کرنا اور ان کا طواف کرنا اور ان کے مقابر کو بوسہ دینا۔

۷۔ حسن پرستی کو اور امرد وعورتوں کے حسن کے نظارہ کو ذریعۂ وصول إلی اللّٰہ سمجھنا۔

۸۔ در پردۂ پیر، خدامِ پیر کا غیر محرم عورتوں سے ناجائز تعلّق رکھنا۔

۹۔ اپنے مشائخ کے سوا دوسرے مشائخِ طریق کی تحقیر کرنا۔

۱۰۔ اگر کوئی شخص رسمی پیر کو چھوڑ کر کسی خدا رسیدہ سے تعلّق تربیت رکھے تو ان کو مردود البیعت ومطرود وقابلِ لعن طعن سمجھتے ہیں۔

۱۱۔ شیخ واقفِ طریقِ سلوک اور ان کے متّبعین کو بوجہ اجتناب بدعات وہابی، منکرِ رسول و بزرگاں مشہور کرتے ہیں۔

۱۲۔ اور پابندئ رسوم کا اتنا اثر ہے کہ اگر کسی مقام میں کوئی خدا پرست خلیفہ شیخ گذشتہ اور ان کا رسمی سجادہ نشین اگرچہ فاسق ہی کیوں نہ ہو جمع ہوں، تب بھی نماز وغیرہ میں وہ مجازِ شیخ بھی اور ان کے دوسرے ہوا خواہ بھی ان رسمی سجادہ نشین کے ساتھ اقتدا کریں گے اور ان کے ساتھ وہ برتاؤ رکھیں گے جیسے ایک مقتدا کے ساتھ، چناں چہ اس معتقدانہ برتاؤ سے خلق کے قلب میں ان کی مقبولیت مشائخِ گذشتہ کی سی بلکہ زیادہ بڑھتی ہے۔

۱۳۔ اور اسی قسم کے مفاسد قلیل وکثیر، کماً وکیفاً ہر خاندان وگروہِ مریدینِ گدی نشین میں پائے جاتے ہیں، اور یہ ان کے ساتھ اعتقادِ واثق ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ بزرگی کا اسی خاندان واولادِ شیخِ گذشتہ میں یکے بعد دیگرے تا قیامِ قیامت چلا جائے گا۔

۱۴۔ اور ان تمام بدعاتِ شنیعہ وعاداتِ خبیثہ کی جڑ اور مبنیٰ اغلب واکثر یہ رسمی پیری مریدی ہے، اکثر صورتوں میں مستقلاً، کہیں مشترکاً۔

۱۵۔ جس مقام پر ایک عرصہ دراز تک خدا کی یاد وکثرتِ اذکار واحسان وتعبد واصلاحِ خلق وترکِ دنیا واتباعِ سنت کا چشمۂ فیض جاری رہا ہو، اور ہزارہا مخلوق فیض یاب ہوئی ہو، وہاں ایسی کایا پلٹ ہوتی ہے کہ دنیا پرستی ومجمع اہلِ ہوا اور شرک وبدعت اور اطوارِ قبیح واخلاقِ فضیح کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا، دین کا فقط نام رہتا ہے، نہ اتباعِ شریعت، نہ اقتضائے شرافت، نہ طبائع میں انابت وعبرت، ضلوا وأضلوا کے پورے مصداق ہوتے ہیں۔

۱۶۔ اسی رسمی پیری مریدی کے شیوع کے اسباب میں بڑا سبب شیوخِ کاملین کا تساہل وبے اعتنائی ہے، ورنہ اگر شیوخ اپنی زندگی میں اس کا انتظام ووصیّت کریں اور تقریری وتحریری اہتمام ہو کہ ہمارے فلاں فلاں خلیفہ سے اگر خلیفہ اس کا اہل ہو، تعلّق رکھیں، وگرنہ کسی اور اہل اللہ کا

نام بتلا جاویں۔ اور اگر حاجت ہو تو اپنی حیات میں ان اہل اللہ کو اکثر مدعو کر کے ان کے مواعظ سنیں تو پھر ہرگز یہ فتنہ نہ ہو۔ اور جن بزرگوں نے ایسا کیا تو وہ آفات وفتن سے محض محفوظ ہیں۔

۱۷۔ بعض لوگ اپنے پس ماندگان کو قریبِ وفات کے وصیّتِ یادِ خدا کرتے ہیں اگر چہ ان کا مطلب اس وصیّت سے نیابت کا نہیں ہوتا، اور بعض اس سے بھی خاموش رہتے ہیں، تاہم خدام کھینچ تان کر اجازتِ بیعت ومناقبِ جانشین کے مضامین تراش لیتے ہیں۔

۱۸۔ چوں کہ اکثر طبائع میں مداہنت اور ہوا غالب ہے، اس لیے بر بنائے اغراض پرستی کرشمے اور کرامات نمودار کی جاتی ہیں، اور بے سروپا محض جھوٹے بناوٹی مناقب وکرامات حتی کہ احیائے اموات وکشفِ مغیبات اپنے بناوٹی مشائخ کے لیے ثابت ومشہور کرتے ہیں، کہ اتنے کمالات وخرقِ عادات ان مشائخِ گزشتہ میں بھی جن سے یہ منسوب اور جن کے جانشین ہیں، نہیں پائی جاتیں۔

۱۹۔ اور اد واذ کارِ معمولہ مشائخِ سلاسل کا نام تک نہیں جانتے اور نہ تعلیم وتلقین۔

۲۰۔ فقط نذرانہ کی وصولی اور تعویذ گنڈے اور پیر پرستی جو حدِ شرعی سے خارج ہو، ان کا شغل ہے۔

یہ خلاصہ ہے رسمی پیری مریدی کا، اور یہ تمام باتیں مشاہد ہیں، دلیل کی ضرورت نہیں۔

ختم ہوئی عبارت اس تجربہ کار کی۔

دوسری شق یہ ہے کہ اس سجادہ نشین میں اہلیت بھی مشیخت کی ہو۔ اور یہ شق صورتِ اول میں تو قریب قریب مفقود ہی ہے، کیوں کہ اہلیت کی صورت میں دوسرے مریدوں سے استکمال کی اس کو کون ضرورت ہے؟ اور دوسری صورت میں بحکمِ نادر ہی ہے، اسی دلیل سے کہ اہلیت کی صورت میں اس کی نوبت کیوں آوے گی؟ ہاں کہیں ایسا اتفاق ہو کہ اس شخص کی اہلیت کے اظہار کا نہ تو شیخ کو موقع ملا ہو، نہ آثار وقرائنِ قویہ سے خود ظہور ہوا ہو، اور مشائخِ معتبرین نے مستفیدین کی اطلاع کی مصلحت سے کسی خاص جلسہ میں اس کا اظہار کر دیا ہو جس کے لیے کسی خاص رسم کی بھی ضرورت نہیں، تو ممکن ہے، و قلیل ما ھو.

کسی اہل کو جانشین بنانا بھی خرابی سے خالی نہیں

البتہ تیسری صورت میں بعید الوقوع نہیں کہ خود پیر نے کسی اہل کو اپنا جانشین کر دیا۔ بہرحال اہلیت کی حالت میں بظاہر سجادہ نشینی یا جانشینی میں کوئی خرابی نہیں معلوم ہوتی لیکن اگر دیدۂ غائر پرانجام بینی کی عینک لگا کر اس سے دیکھا جاوے تو یہ بھی خرابی سے خالی نہیں، وہ یہ کہ طبعاً اس جگہ پر بیٹھنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ عموماً مریدین اس جانشین کو بالکل اس شیخ کی جگہ سمجھتے ہیں اور اس شیخ کے تمام خلفا پر گو وہ اہلیت میں اس سے زیادہ ہوں، اس جانشین کو ترجیح دیتے ہیں، اور معتقدین تمام طالبین کو جس طرح بن پڑتا ہے گھیر گھار کر اس کی طرف لاتے ہیں اور صرف اس جگہ پر بیٹھنے کو سببِ مرجح قرار دیتے ہیں، حتی کہ اگر اس کی اہلیت بھی کسی عارض سے مفقود یا مبدل ہو جاوے تب بھی اس کو ترک کرنے کو اس جگہ کی بے حرمتی اور اس کے واسطے سے اس شیخِ گزشتہ کی اہانت سمجھتے ہیں، اور جس طرح ہوسکتا ہے اسی کو نباہتے ہیں، تو انجام اس کا پھر وہی رسم پرستی ہوگئی۔ یہ خرابی تو فی الحال ہے۔ دوسری خرابی جو آئندہ چل کر مآل میں ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ پھر اس جگہ کو آباد رکھنا مقصود بالذات ہو جاتا ہے، اور کبھی خود اس اہل ہی کو اور کبھی دوسروں کو اس کی فکر ہوتی ہے کہ اس کے بعد کسی اور کو تجویز کیا جاوے، پھر بعد چندے اہل نا اہل کسی کی تمیز نہیں رہتی اور مثل ترکہ مالیہ کے اس میں بھی میراث جاری ہونے لگتی ہے، اور مورث و وارث کے تفاوت سے یہ مضمون صادق آنے لگتا ہے:

آدمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت
زشتیٔ اعمالِ ما صورت نادر گرفت

دیگر:

پری نہفتہ رخ ودیو درکرشمہ وناز

مشائخ اپنی جگہ آباد کرنے کی فکر نہ کریں

پس اس لیے اسلم یہ ہے کہ اہل کو اجازت دے دے، خواہ اس کو کوئی نسبی تعلّق بھی نہ ہو، لیکن اپنی جگہ آباد کرنے کی فکر نہ کرے، گو اسبابِ اتفاقیہ سے اس کا قیام اسی جگہ ہو جائے۔ اسی طرح وہ اہل اپنے خلیفہ کے ساتھ معاملہ کرے۔ وهكذا إلى ما شاء الله تعالى.

کسی جگہ کو اہلیت میں کوئی دخل نہیں

ولنعم ما قيل في عدم دخل البقعة في الأهلية:

حسن زبصرہ، بلال از حبش صہیب از روم
زخاک مکّہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

اور بقعہ کو مقصود بنانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس جگہ کو اس قدر محترم سمجھ لیتے ہیں کہ اس مقام پر بیٹھنے والے پر کوئی اعتراض یا احتساب کرنے کو اس بقعہ کی اہانت سمجھتے ہیں، حالاں کہ بیت اللہ سے بڑھ کر کوئی بقعہ نہیں، مگر اس کے خدام پر بھی جب کہ نا اہل تھے، حق تعالیٰ نے انکار فرمایا ہے، فقال:

﴿وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَاۗؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝﴾[1]

کسی بزرگ سے صرف نسبی تعلّق مقبولیت کی دلیل نہیں

اسی طرح کسی مقبول کی طرف انتساب کو مستقل علت احترام و تعظیم و ترکِ اعتراض کی قرار دی جاتی ہے، حالاں کہ خاص ابن ہونے سے بڑھ کر کوئی نسب قریب نہیں، مگر نا اہل ابن پر حق تعالیٰ نے انکار فرمایا ہے:

---

[1] انفال: ۳۴۔

﴿قَالَ يٰنُوحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ [1]

اور بدعات ومنکرات کا رد تفصیلی ''اصلاح الرسوم'' کے فصول میں مذکور ہے، ملاحظہ فرمایا جاوے۔

اور ان میں سے خصوصی خلافت یا مشیخت نا اہل کے متعلق دو آیتیں اور دو حدیثیں نقل کرتا ہوں:

آیتِ اولیٰ: ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾. [2]

پھر ان سلف کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے کہ کتاب (یعنی تورات) کو تو ان سے حاصل کیا (لیکن اس کے ساتھ ہی حرام خور ایسے ہیں کہ احکامِ کتاب کے عوض میں) اس دنیائے دَنی کا مال ومتاع (اگر ملے تو بے تکلّف اس کو) لے لیتے ہیں اور (بے باک ایسے ہیں کہ اس گناہ کو حقیر سمجھ کر) کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جاوے گی (کیوں کہ ہم ابناء اللہ واحباء اللہ ہیں، ایسے گناہ ہماری مقبولیت کے روبرو کیا چیز ہیں!) حالاں کہ (اپنی بے باکی اور استخفاف معصیت پر مصر ہیں، حتیٰ کہ) اگر ان کے پاس پھر ویسا ہی (دین فروشی کے عوض) مال، متاع آنے لگے تو (اسی بے باکی کے ساتھ پھر) اس کو لے لیتے ہیں۔ کیا ان سے اس کتاب کے اس مضمون کا عہد نہیں لیا گیا ہے کہ خدا کی طرف بجز حق اور واقعی بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ کرو؟ (مطلب یہ کہ جب کسی آسمانی کتاب کو مانا جاتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم اس کے سب مضامین مانیں گے۔) اور انھوں نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا تھا اس کو پڑھ بھی لیا۔ اور (انھوں نے یہ سب قصّہ دنیا کے لیے کیا، باقی) آخرت والا گھر ان لوگوں کے لیے (اس دنیا سے) بہتر ہے جو (ان عقائد واعمالِ قبیحہ سے) پرہیز رکھتے ہیں۔ پھر کیا (اے یہود!) تم اس

---

[1] ہود: ۴۶۔ [2] اعراف: ۱۶۹۔

بات کو نہیں سمجھتے؟

آیتِ ثانیہ: ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۝﴾[1]

پھر ان سلف کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے نماز کو برباد کیا اور خواہشوں کی پیروی کی، سو یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے۔ ہاں! مگر جس نے توبہ کرلی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کرنے لگا، سو یہ لوگ جنّت میں جاویں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جاوے گا۔

اور یہ حدیثیں دونوں رسالہ "حقيقة الطريقة" سے مع تقریرِ استدلال نقل کرتا ہوں:

حدیثِ اول: حدیث ہشتاد[2] وہفتم: عن عائشة رضي الله عنها من خطبة عمر قال فيها: أنا عمر، ولم أحرص على أمركم، ولكن المتوفى أوصى إلي بذلك، والله ألهمه ذلك، وليس أجعل أمانتي إلى أحد ليس لها بأهل، ولكن أجعلها إلى من تكون رغبته إلى التوقير للمسلمين، أولئك أحق بهم ممن سواهم. (أخرجه مالك)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کا یہ مضمون منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں عمر ہوں اور تم پر حاکم بننے کی مجھ کو خواہش نہ تھی، لیکن متوفی (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے مجھ کو اس کی وصیّت کی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں اس کا القا فرمایا تھا۔ اور میں اس عہدے کو ایسے شخص کے حوالے نہیں کرتا جو اس کا اہل نہ ہو، البتہ ایسے شخص کے لیے تجویز کرتا ہوں جس کی رغبت اہلِ اسلام کی توقیر کی طرف ہو، سو یہ لوگ بہ نسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ مستحق ہیں۔ (روایت کیا اس کو امام مالک رحمہ اللہ نے)

فائدہ: اصلاحِ عدمِ استخلافِ نااہل۔ بعض متصوفین محض رسم کے طور پر حفظِ سلسلہ کے لیے کسی کو خلیفہ بنا دیتے ہیں، اس حدیث سے اس کا ابطال ہوتا ہے، اہلِ رسم کو اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔

---

[1] مریم: ۵۹، ۶۰۔ [2] یہ نمبر اس رسالہ کے سلسلے کا ہے۔

حدیثِ ثانی: حدیث[1] دوصد وبست وہفتم: عن أبي الطفيل إلى قوله وزاد رزين عن ابن عباس: ملعون من صد أعمى عن طريق.

فائدہ: اصلاحِ ذمِ مَشیخَتِ نا اہل را۔ حدیث میں نابینا کو راہ سے بچلانے والے کی ملعونیت مصرح ہے اور ظاہر ہے کہ آخرت کی راہ دنیا کی راہ سے زیادہ اہم ہے۔ اور اس کا اعمٰی راہ دنیا کے اعمٰی سے زیادہ اشد واحوج الی الہدایۃ ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ﴾[2]

جب اس اعمٰی ظاہر کو راہِ ظاہر سے بچلانے والا ملعون ہے تو اعمٰی باطن کو راہِ باطن سے بچلانے والا کس درجہ کا ملعون ہوگا! جھوٹے اور مکار اور ناواقف پیر اس کے پورے مصداق ہیں، پس ایسے لوگوں پر واجب ہے کہ پیری سے توبہ کریں۔

وهذا آخر ما أوردناه الآن، والله العاصم من الطغيان. اللّٰهم، أرنا الحقَّ حقا وارزقنا اتباعه، والباطلَ باطلا وارزقنا اجتنابه. وأنا العبد الفقير إلى الله الغني، محمد المدعو بأشرف علي غفر له ذنبه الجلي والخفي. الثاني عشر من صفر المظفر ۱۳۳۷ھ في كورة تهانه بهون، صانها الله من الفتن ما ظهر منها وما بطن. كتبتها في جلسة واحدة إلا أسطرًا قليلة، ولله الحمد على نعمائه الجزيلة وآلائه الجليلة.

تمام شد رسالہ تحفۃ الشیوخ

(مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون میں باہتمام احقر محمد شبیر علی مالک مطبع چھپا) صفر ۱۳۳۷ھ۔

اضافہ

یکے از خدام حضرت مصلح الامت عارف باللہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ۔

---

[1] یہ نمبر اس رسالہ کے سلسلے کا ہے۔ [2] حج: ۴۶۔

ضمیمہ تحفۃ الشیوخ

نسبتِ مقصودہ ایک ہی ہے۔

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ ''تربیت السالک'' میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: اکثر بزرگوں کو متعدد سلاسل سے اجازت حاصل ہوئی ہے، تو کیا ان حضرات کو متعدد نسبتیں مثلاً: نسبتِ چشتیہ ونقش بندیہ مجیزین سے حاصل ہوئی تھیں یا محض اجازت ہی ہوئی تھی؟ اور متعدد نسبتوں کا ایک شخص میں جمع ہونا ممکن ہے؟ اسی طرح ایسا شخص جس کو متعدد سلاسل سے اجازت ہے جس شخص کو اجازت دے تو اس کو متعدد نسبتیں حاصل ہونا چاہییں، لیکن حضراتِ چشتیہ میں آثار دیگر سلاسل کے نہیں معلوم ہوتے، اور اگر ہیں تو کس طرح نسب کا حال معلوم ہوسکتا ہے؟

جواب: نسبت ایک حقیقتِ واحدہ ہے، اختلافِ استعداد سے اس کے الوان مختلف ہوتے ہیں جس میں چشتیت وغیرہ کی خصوصیّت نہیں، ممکن ہے ایک چشتی اور ایک نقش بندی کی نسبت ایک لون کی ہو، اور ممکن ہے کہ دو چشتیوں کی نسبت کا لون مختلف ہو، اسی طرح اختلافِ اوقات سے اس لون میں اختلاف ہوسکتا ہے، پس صاحبِ اجازت کے لیے نسبت کا حصول شرط ہے، خواہ اس کا لون کچھ ہی ہو اور خواہ مجیز اور مجاز کے الوان بھی مختلف ہوں۔ اس تحقیق کے بعد کوئی اور سوال متوجہ نہیں ہوتا۔ (تربیت السالک قدیم: ۱۷۷)

سوال: نسبتیں بکثرت معلوم ہوتی ہیں۔

جواب: فرمایا نسبت ایک ہی ہے، الوان اس کے مختلف ہیں، کسی کو خشیت ہوتی ہے اور کسی کو محبّت، اور کسی کو حضور مع اللہ ہوتا ہے، اور ظہور اس کا اس کی استعداد کے موافق رہتا ہے۔

(حوالہ بالا: ۴۲)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''القول الجمیل'' میں تحریر فرماتے ہیں:

مرجع الطرق كلها إلى تحصيل هيئة نفسانية، يسمى عندهم بالنسبة؛ لأنها انتساب وارتباط بالله عزوجل وبالسكينة وبالنور.

یعنی مشائخ کے تمام طریقوں کا مرجع ایک ہیئتِ نفسانی کی تحصیل ہے جس کو صوفیہ کے نزدیک نسبت سے تعبیر کرتے ہیں، اس لیے کہ اس کی حقیقت اللہ عزوجل کے ساتھ ایک خاص قسم کا ارتباط وانتساب ہے، اور اسی نسبت کو سکینہ اور نور بھی کہتے ہیں۔

اور کچھ دور کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

وهذا المعنى هو المتوارث عن رسول الله ﷺ من طريق مشايخنا، لا شك في ذلك، وإن اختلف الألوان واختلف طرق تحصيلها.

اور یہ نسبت رسول اللہ ﷺ سے وراثۃً ہمارے مشائخ کے واسطے سے منتقل ہوتی چلی آرہی ہے، اگرچہ اس کے الوان مختلف ہیں اور ان کے تحصیل کے طریقے بھی مختلف ہیں۔

(شفاء العليل: ٦٥)

تعددِ شیخ کی اجازت

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں:

اگر ایک جگہ بیعت ہو کر دوسری جگہ تعلیم واصلاح کا تعلّق رکھے، کچھ حرج نہیں، خصوص جب بیعت کی جگہ سے مناسبت کم ہو اور دوسری جگہ مناسبت زیادہ ہو۔ (تربیت السالک جدید: ۱/۱۳۰)

اور رئیس المتاخرین حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہٗ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

اگر ایک شخص سے کوئی مرید ہوا اور پھر معلوم ہوا کہ وہ پیر بدعتی ہے، یا کسی وجہ سے قابل بیعت کرنے کے نہیں ہے تو اس کی بیعت کا فسخ کرنا واجب ہے، اگر بیعت کو فسخ نہ کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔ حدیث میں آیا ہے کہ: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ. سو اگر بدعتی سے محبّت کرے گا اس کے ہی ساتھ ہو جاوے گا، اور بدعتی سے محبّت حرام ہے۔

اور جو پیر قابل بیعت کرنے کے ہے، مگر مرید کو اس سے فائدہ نہیں پہنچتا تو بھی دوسرے

پیر سے مرید ہو جانا درست ہے، مگر پہلے پیر سے بھی اعتقاد رکھے۔ اور جو پہلے پیر سے باوجود فائدہ ہونے کے بیعت فسخ کردے اور دوسرے سے مرید ہو جائے تو بھی گناہ نہیں۔ پیری مریدی دوستی ہے، آدمی جس سے چاہے دوستی دین کی کرلیوے، کوئی گناہ کی بات نہیں، مگر ہاں! اچھے پیر اہلسنت کو چھوڑنا بلاوجہ اچھا نہیں، کہ ایسے مرید پر مشائخ التفات نہیں کرتے، لہٰذا اس کو فائدہ نہیں ہووے گا۔ ورنہ کوئی گناہ کی بات نہیں۔

یہ سب کتبِ تصوف میں مشائخِ صوفیہ نے لکھا ہے۔ اور پہلے پیر کے چھوڑنے کو کفر کہنا (یا کوئی اور فتویٰ صادر کرنا) تو یہ کسی نے بھی نہیں لکھا، یہ مقولہ بالکل کسی جاہل ناواقف کا ہے کہ اپنے دنیا کمانے کے لیے مکر پھیلایا ہے، یہ قول بالکل غلط اور مردود ہے، مشائخِ قدیمہ دو دو، تین تین اور زیادہ سے بیعت ہوئے ہیں، چناں چہ کتبِ سلاسل سے ظاہر ہے، تو اس شخص کے قول پر سب پر کفر عائد ہووے گا۔ **معاذ اللہ**

فقط والسلام۔

واللہ أعلم (فتاوی رشیدیہ کامل: ۲۱۰)

حضرت بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ''ارشاد الطالبین'' میں فرماتے ہیں:

مسئلہ: اگر کوئی شخص ایک مدت تک کسی شیخ کی خدمت میں حسنِ اعتقاد کے ساتھ رہا اور اس کی صحبت میں تاثیر نہیں پائی تو اس پر واجب ہے کہ اس شیخ کو چھوڑ دے اور دوسرا شیخ تلاش کرے، ورنہ اس کا مقصود و معبود وہ شیخ ہوگا، نہ کہ خدائے تعالیٰ، اور ظاہر ہے کہ یہ شرک ہے۔

حضرت عزیزان رامتینی رحمۃ اللہ علیہ جو طریقۂ نقش بندیہ کے شیخ ہیں، فرماتے ہیں:

با ہر کہ نشستی ونشد جمع دلت
وز تو نہ رمید صحبت آب وگلت
زنہار زصحبتش گریزاں می باش
ورنہ نکند روح عزیزاں بحلت

جس کے ساتھ تو بیٹھے اور تجھ کو دل جمعی نہ حاصل ہو اور تیرے دل سے دنیا کی محبت دور

نہ ہو تو اس کی صحبت سے قطعاً دور بھاگ، ورنہ عزیزان کی روح تجھ کو معاف نہ کرے گی، مگر اس شیخ سے حسنِ ظن رکھے، اس لیے کہ ممکن ہے وہ شیخ کامل مکمّل ہو، لیکن اس کا حصّہ اس کے پاس نہ رہا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شیخ کامل مکمّل ہو اور اس دنیا سے رحلت فرما جائے اور مرید درجۂ کمال تک نہ پہنچا ہو تو اس مرید کے لیے واجب ہے کہ دوسرے شیخ کی صحبت[1] تلاش کرے، اس لیے کہ مقصود خدائے تعالیٰ ہے۔

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو بیعت کی تھی وہ محض دنیوی نہیں تھی، بلکہ ان حضراتِ خلفا سے کمالاتِ باطنی کی تحصیل بھی مقصود تھی۔

اگر کوئی کہے کہ اولیائے کرام کا فیض ان کی وفات کے بعد بھی باقی رہتا ہے، اس لیے دوسرے شیخ کی تلاش بے کار ہے، تو اس سے کہا جاوے گا کہ وفات کے بعد اولیا کا فیض اس درجہ نہیں رہ جاتا کہ ناقص کو درجۂ کمال تک پہنچا دے، مگر شاذ و نادر، (والنادر کالمعدوم)، اگر وفات کے بعد بھی فیض اسی طرح جاری رہتا جیسا کہ حیات میں ہوتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر اب تک تمام اہلِ مدینہ صحابۂ کرام کے برابر ہوتے اور کوئی شخص اولیا کی صحبت کا محتاج نہ ہوتا۔ اور مردہ کا فیض مثل زندہ کے کیسے ہوسکتا ہے! جب کہ فیض پہنچانے والے اور فیض حاصل کرنے والے کے درمیان مناسبت شرط ہے جو وفات کے بعد مفقود ہو جاتی ہے۔ البتہ فنا و بقا کے بعد جب کہ مناسبت باطنی حاصل ہو جائے تو قبور سے فیض حاصل کیا جاسکتا

---

[1] اسی بنا پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والدِ محترم سے خلافت حاصل ہونے کے باوجود ان کی وفات کے بعد خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ سے بیعت ہوئے، اور ہمارے سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ میں سے حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی رحمۃ اللہ اولاً شاہ رحم علی صاحب رحمۃ اللہ سے سلسلۂ قادریہ میں، پھر شاہ عبدالباری صاحب رحمۃ اللہ سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہوئے، اس کے بعد سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت فرمائی۔ اور آپ کو بیعت کی اجازت سید صاحب ہی نے عطا فرمائی، نیز حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ نے متعدد مشائخ سے بیعت و استفاضہ فرمایا، اس طرح کے صدہا نظائر موجود ہیں۔

ہے، مگر وہ بھی اس قدر نہیں ہوسکتا جتنا کہ حیات میں ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ أعلم.

طریقِ تعلیم وتربیتِ سالکین فی زمانہ

ارشاد: نقش بندیہ کا مذاق یہ ہے کہ وہ پہلے ہی دن ذکر کی تلقین کر کے تخم ریزی شروع کر دیتے ہیں، اور چشتیہ اول ازالۂ رذائل کا کام شروع کر کے ناک چنے چبواتے ہیں، بلکہ چبواتے تھے، کیوں کہ اب تو وہ بھی طالبوں کی ضعفِ ہمت کی وجہ سے نقش بندیوں کے طریقے پر عمل کرنے لگے اور وصل وفصل دونوں کو ساتھ ساتھ لے چلتے ہیں۔

آج کل یہی صورت مناسب ہے کہ سالک کو ذکر وشغل کی تعلیم کے ساتھ اصلاحِ رذائل کا بھی امر کیا جائے اور ہر رذیلہ کی اصلاح کا علاج بتلایا جائے، گو زیادہ ضروری علاج رذائل کا ہی ہے، مگر ذکر کے ساتھ رذائل کا علاج بہت سہل ہو جاتا ہے۔ (انفاسِ عیسیٰ: ۱/۶۰)

خلافت واجازت کا مقصد

حضراتِ مشائخ کی طرف سے خلافت واجازت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مجاز وخلیفہ پر لوگوں کو اعتماد اور اس کے ساتھ حسنِ ظن قائم ہو جائے، تاکہ اس سے اصلاح واستفاضہ کریں، نہ یہ کہ خود صاحبِ اجازت وخلافت اپنے کو کامل سمجھ کر اپنی اصلاح سے غافل ہو جائے اور اکابر سے استغنا برتنے لگے، چناں چہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ ایک مکتوب میں اپنے کسی خلیفہ کو تحریر فرماتے ہیں کہ:

اجازت تعلیم طریقت بہ شما دادہ است، اگر او کفایت نہ کند اجازت نامہ چہ کار خواہد کرد، لازم نیست کہ ہر چہ در خاطر بگذرد، البتہ آں راسعی باید کرد۔ چیز ہائے بخاطر گذرد کہ ترکِ آں اولیٰ وانسب است۔ فکر کار خود باید کرد تا بسلامت برد۔ اجازت نامہ ومریداں بکار نخواہند آمد۔ در ضمنِ کارِ خود اگر شخصے بہ طلب صادق بیاید آں را تعلیمِ طریقت بکنند، نہ آں کہ تعلیم طریقت را اصل کار بگیرند، ومعاملۂ خود را تابع او سازند کہ سراسر ضرر وخسران است۔ (مکتوب: ۲۲۸)

تعلیمِ طریقت کی اجازت تم کو دی جا چکی ہے، اگر وہ کفایت نہ کرے تو اجازت نامہ کیا کام کرے گا! کوئی ضروری نہیں کہ جس چیز کا دل میں خیال آوے اس کے لیے ضرور سعی کی جائے، بلکہ بہت سے خطرات دل میں ایسے گزرتے ہیں کہ ان کا ترک اولیٰ وانسب ہوتا ہے۔ آدمی کو اپنے کام کی فکر کرنی چاہیے، تا کہ دنیا سے ایمان سلامت لے جائے۔ اجازت نامہ اور مریدین آخرت میں کچھ کام نہ آویں گے، ہاں اپنے کام کے ضمن میں اگر کوئی شخص طلبِ صادق کے ساتھ آوے اس کو تعلیمِ طریقت کر دیں، نہ یہ کہ تعلیمِ طریقت کو اصل مقصود بنا لیں اور اپنے معاملہ کو اس کے تابع کر دیں، اس لیے کہ اس میں تو اپنا سراسر نقصان اور خسران ہے۔

سلوک کا مقصودِ اصلی فنا و نیستی ہے

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس اللہ سرہٗ جو حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور ان کے اجل خلفا میں سے ہیں، اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

مقصود از سیر وسلوک شیخی ومرید گرفتن نیست، مقصود ازاں ادائے وظائفِ بندگی است بے منازعت نفس۔ ونیز مقصود نیستی وگمنامی است وزوال رعونت وانانیت امارہ، کہ معرفت بداں مربوط است۔

سیر وسلوک سے مقصود پیر بننا اور مرید بنانا نہیں ہے، بلکہ اس سے مقصود وظائفِ بندگی کو اس طرح سے ادا کرنا ہے کہ نفس کی آمیزش اور منازعت باقی نہ رہے، اسی طرح سے طریق کا مقصود نیستی اور گم نامی کی تحصیل ہے اور نفس کی سرکشی اور خود رائی کو دور کرنا ہے۔ اس لیے کہ معرفت کا حصول اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔

مخلوق کی بے التفاتی عین راحت کا سبب ہے

اس کے بعد حضرت خواجہ محمد معصوم قدس اللہ سرہٗ عجیب وغریب بات تحریر فرماتے ہیں کہ:

”ہر کہ بایں کس رجوع میکند وانابت می آرد واز حق باز داشتہ بخود مشغول می سازد، وہر کہ رجوع

نمی آرد او را بحق می دارد ومنون او باید شد“۔

جو کوئی ایسے شخص کی جانب رجوع کرتا ہے اور اس سے تعلق کا اظہار کرتا ہے تو گویا اس کو حق تعالیٰ کی جانب سے پھیر کر اپنے ساتھ مشغول کرتا ہے، اور جو کوئی ایسے شخص کی جانب رجوع نہیں کرتا تو وہ اس کو حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہنے کا موقع دیتا ہے، لہٰذا اس کا تو احسان ماننا چاہیے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ اس دار دنیا میں مقصودِ اصلی یہی ہے کہ آدمی تمام تعلّقات سے اپنے قلب کو فارغ کر کے حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہے:

تعلّق حجاب است وبے حاصلی
چوں پیوندہا بگسلی واصلی

اسی بنا پر حضرت معصوم قدس اللہ سرہٗ آگے فرماتے ہیں کہ

یا رب ہمہ خلق رابمن بدخو کن
واز جملہ جہانیاں مرا یکسو کن
روئے دل من صرف کنی از ہرجہت
در عشق خودم یکجہت ویک رُو کن

اللہ! تو ساری مخلوق کو مجھ سے برگشتہ کردے اور مجھے تمام دنیا والوں سے یکسو فرمادے، اور میرے دل کے رخ کو ہر طرف سے پھیر کر اپنے عشق ومحبّت میں مجھے یکسو کردے اور ہمہ تن اپنی طرف متوجہ فرمادے۔

سبحان اللہ، حضرت خواجہ معصوم قدس اللہ سرہٗ نے کیسا عمدہ کلام فرمایا!

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات طریق کو کتنا سمجھے ہوئے ہیں! ان کے کلام سے یہ بات واضح ہوئی کہ سلوک کا مقصود محض پیری ومریدی کرنا نہیں ہے، بلکہ نفس کو مٹانا، انانیت کو فنا کرنا اور وظائفِ بندگی کو ادا کرنا یہی اصل مقصود ہے، اور اسی سے نسبت مع اللہ حاصل ہوتی ہے جس کو ہمارے مشائخ غنیمتِ کبریٰ فرماتے ہیں۔

نسبتِ صوفیہ غنیمتِ کبریٰ ہے

مرشدی ومولائی حضرت مصلح الامت قدس اللہ سرہٗ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''نسبتِ صوفیہ'' میں اس پر بہت شرح وبسط کے ساتھ مفصّل اور مدلل بحث فرمائی ہے، چناں چہ تحریر فرماتے ہیں کہ

یہی وہ نسبتِ مسلسلہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بواسطۂ مشائخ متوارث چلی آرہی ہے، جس میں کوئی شک نہیں۔

اسی کو شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جملہ طرق کا مرجع اور اس کا حاصل قرار دیا ہے، نیز ایک اور مقام پر اس کو غنیمتِ کبریٰ فرمایا ہے، چناں چہ فرماتے ہیں کہ

نسبتہائے صوفیہ غنیمتے است کبریٰ
امار سوم ایشاں ہیچ نمی ارزد

نسبتِ صوفیہ غنیمتِ کبریٰ ہے، لیکن ان کے رسوم کی کوئی قیمت نہیں۔ (نسبتِ صوفیہ: ۶۵)

دیکھیے! شاہ صاحب تو یہ فرمارہے ہیں کہ اصل شے نسبت ہے اور رسوم کی کوئی حیثیت نہیں، لیکن اس زمانہ میں معاملہ بالکل برعکس ہوگیا ہے کہ رسوم ہی کو مقصود بالذات بنالیا گیا ہے اور اصل شے سے بالکل غافل ہیں، جیسا کہ حضرت مصلح الامت رحمۃ اللہ علیہ اپنے اسی مضمون میں چند سطور بعد تحریر فرماتے ہیں:

وجہ کلی اس کی یہ ہے کہ مقصود اور غیر مقصود میں امتیاز نہیں باقی رہا، مقصود کو غیر مقصود اور غیر مقصود کو مقصود بنالیا گیا ہے، چناں چہ اسی کی جزئی یہ بھی ہے کہ مشائخ کو مقصود سمجھا جاتا ہے اور ان کے پاس جو دولت ہے، یعنی نسبتِ مسلسلہ اور نور وسکینہ، اس کے تحصیل کی فکر نہیں۔ اس زمانہ میں طریق کے اندر یہ ایک بہت بڑی بدعت داخل ہوگئی ہے، جس نے طریق کو فاسد کردیا۔

(حوالہ بالا: ۶۶)

بیعت کو مقصود بالذات اور ضروری سمجھنا بدعت ہے

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہٗ کے ملفوظات میں درج ہے: پھر فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ دین اپنی اصلی حالت میں آجائے، مگر اکیلے میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے! جو لوگ متبع سنت ہیں اور اپنی ہی جماعت کے ہیں ان کے یہاں بھی بس یہی دو چار چیزیں تو بدعت ہیں: مولد کا قیام، عرس، تیجہ، دسواں۔ اس کے علاوہ جو اور چیزیں بدعت کی ہیں، انھیں وہ بھی بدعت نہیں سمجھتے، چاہے وہ بدعت ہونے میں ان سے بھی اشد ہوں۔ مثلاً: بیعت ہی کو دیکھیے! جس ہیئت اور جس عقیدے سے آج کل لوگ اس کو ضروری سمجھتے ہیں، وہ بالکل بدعت اور غلط عقیدہ ہے، لیکن کسی سے کہیں تو سہی، اپنی ہی جماعت کے لوگ مخالفت پر آمادہ ہو جائیں۔

اصلاحِ نفس کے لیے صرف ذکر کافی نہیں

ایسی ہی ایک دوسری غلطی ہے کہ ذکر کو اصلاح کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے، اس پر اپنی ہی جماعت کے ایک صاحبِ اجازت بزرگ سے دو گھنٹہ میری بحث رہی، وہ یہی کہتے رہے کہ صرف ذکر کافی ہے اصلاح کے لیے۔

دیکھیے! یہ اپنی جماعت کے لوگ ہیں، انھیں کو اس مسئلہ میں اختلاف تھا، وہ اصلاح کے لیے صرف ذکر ہی کو کافی سمجھتے تھے، حالاں کہ یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ محض ذکر سے اصلاح تو کیا ہوتی؟ بعضوں کا نفس اور بگڑ جاتا ہے، کیوں کہ یہ شخص اپنے آپ کو بزرگ بھی سمجھنے لگتا ہے اور کبھی اس کو اپنی اصلاحِ نفس کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ نفس کی اصلاح تو ایک مستقل چیز ہے جو مخالفتِ نفس ہی سے ہو سکتی ہے۔ (الافاضات الیومیہ: ۱۰/۱۲)

ناقل عرض کرتا ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ تو اس بات پر رنج و غم ظاہر فرما رہے ہیں کہ لوگوں نے اصلاحِ نفس کے لیے ذکر کو کافی سمجھ رکھا ہے، مگر اب تو یہ بھی باقی نہیں رہا، بلکہ صرف بیعت ہی کو کافی سمجھا جاتا ہے، اصلاح کا خیال عنقا ہے ہی، ذکر کا بھی اہتمام نہیں

رہا۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون.

ناقص کی صحبت سخت مضر ہے

مرشدی ومولائی حضرت مصلح الامت قدس اللہ سرہٗ شیخِ کامل کی ضرورت پر کلام کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ

مشائخِ کاملین جہاں کہیں صحبتِ شیخ کی ضرورت پر کلام فرماتے ہیں، وہیں اس کی بھی تصریح فرماتے ہیں کہ شیخِ کامل کی طرف رجوع کرنا چاہیے، کیوں شیخانِ ناقص کی طرف رجوع کرنے سے فائدہ نہیں ہوتا، ناقص کی صحبت سخت مضر ہے۔

بزرگانِ دین نے ہر زمانہ میں اس کو سمجھانے کی پوری کوشش کی ہے، اور ہر دور میں ناقص وکامل کی بحث کو چھیڑا ہے، اور ناقص کی صحبت سے پرہیز کی تاکید فرمائی ہے، چناں چہ حضرت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہٗ حضرت شیخ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں کہ

''مضر ترین چیزہا صحبتِ ناقص است۔ وناقص دریں باب نزدِ من کسے است کہ اوراغم کمال وتاسف براحوالِ خود نیست، وآں کہ اوراغمِ ایں کارست رو در کمال دارد، ہر چند کامل نباشد در صحبت وے ضرر نیست''۔ (الطرائف والظرائف: ۲۸)

سب سے زیادہ مضر شے ناقص کی صحبت ہے۔ اور میرے نزدیک ناقص وہ ہے جسے اپنے کمال کا غم اور بدحالی پر افسوس نہ ہو، اور جس کو اپنے کمال کا غم ہو ہر چند وہ کامل نہیں ہے، مگر اس کا رخ کمال کی طرف ہے، اور ایسے شخص کی صحبت میں کوئی ضرر نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جسے اپنے نقصان کی خبر ہو اور اس کو دور کرنے کی فکر ہو اس کی صحبت مضر نہیں، اس غم کی وجہ سے کم از کم وہ دوسروں میں بھی کمال کا غم اور فکر تو پیدا کر ہی دے گا، یہ بھی کچھ کم نہیں ہے، دردِ نایافت بھی حاصل ہو جائے تو بہت کچھ حاصل ہو گیا، آج یہی غم ہی تو نہیں پیدا ہوتا۔

حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہٗ کسی طالب کو تحریر فرماتے ہیں کہ

اگر بعد مجاہدۂ ہزار سال حسرت دردنا یافت حاصل ہوجائے تو سب کچھ حاصل ہے"۔(معرفتِ حق)

نیز مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ہر کہ نقص خویش را دید وشناخت
اندر استکمال خود دواسپہ تاخت
زاں نمی پرد بسوئے ذوالجلال
کو گمانے می برد خود راکمال
علت بدتر زپندار کمال
نیست اندر جانت اے مغرور ضال

جوشخص اپنے نفس کو سمجھ گیا وہ اپنی تکمیل میں نہایت اہتمام سے سعی کرے گا، اور جس کو حق تعالیٰ کی طرف سے عروجِ روحانی نہیں ہوتا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ اپنے کو کامل سمجھتا ہے، (اس لیے تحصیلِ کمال میں سعی نہیں کرتا۔) اے دھوکہ میں پڑے ہوئے اور گمراہ انسان! تیرے اندر اپنے کو کامل سمجھنے سے بڑھ کر کوئی باطنی بیماری نہیں ہے۔

اصلاح کے لیے شیخِ کامل کی طرف رجوع ضروری ہے

مرشدی ومولائی حضرت مصلح الامت قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ

دین سیکھو بغیر سوچے سمجھے، محض کسی کے بدن پر گرنا کوئی چیز نہیں ہے، ہمارے بدن کو تبرک مت بناؤ، تعلیمات کو تبرک بناؤ، اگر تعلیمات کو تبرک بناؤ گے تو کامیاب ہو جاؤ گے، جو کہتا ہوں اس کو سنو اور عمل کرو۔

دیکھو! مشائخِ کاملین کیا فرما رہے ہیں۔ حضرت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہٗ "تعلیم الدین" میں تحریر فرماتے ہیں کہ

کمالِ باطنی کا حاصل کرنا جب ضرور ٹھہرا اور عادت اللہ یونہی جاری ہے کہ بے توسل پیر کے یہ راہ قطع نہیں ہوتی، اس لیے پیر (کامل) کا تلاش کرنا ضرور ٹھہرا۔ طریق اس کا یہ ہے کہ اکثر

درویشوں سے جن پر احتمال کمال کا ہو، ملتا رہے اور کسی کی عیب جوئی اور انکار میں مبادرت نہ کرے، مگر جلدی سے بیعت بھی نہ کرے۔ اول یہ دیکھے کہ شریعت پر مستقیم ہے یا نہیں؟ اگر مستقیم نہیں تو اس سے علیحدہ ہو جائے، گو خوارق وغیرہ اس سے صادر ہوتے ہوں، اور اگر شرع پر مستقیم ہے تو خود اس کا نیک اور ولی ہونا تو ثابت ہو گیا، مگر اس شخص کو تو ضرورت تربیت و تکمیل کی ہے، اس لیے ابھی بیعت نہ کرے، بلکہ یہ بھی دیکھے کہ اس کی صحبت سے قلب میں کچھ اثر (یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت، دنیا و معاصی سے نفرت) پیدا ہوتا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ حدیث شریف میں اولیاء اللہ کی یہی علامت آئی ہے: إذا رؤوا ذکر الله (یعنی ان کو دیکھ کر خدا یاد آوے)۔

شیخ کی وفات کے بعد دوسری جگہ تلاش کرے

حضرت مرشدی مصلح الامت قدس اللہ سرہٗ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ سے نقل فرماتے ہیں کہ

اسی طرح اگر شیخ کا انتقال قبل حصولِ مقصود کے ہو جائے، یا ملاقات کی امید نہ ہو جب بھی دوسری جگہ تلاش کرے اور یہ خیال نہ کرے کہ قبر سے فیض لینا کافی ہے، دوسرے شیخ کی کیا ضرورت ہے؟ کیوں کہ قبر سے فیضِ تعلیم نہیں ہو سکتا، البتہ صاحبِ نسبت کو احوال کی ترقی ہوتی ہے، سو یہ شخص تو ابھی محتاجِ تعلیم ہے، ورنہ کسی کو بھی بیعت کی ضرورت نہ ہوتی، لاکھوں قبریں کاملین، بلکہ انبیا علیہم السلام کی موجود ہیں۔ (تعلیم الدین: ۶۳)

سبحان اللہ، حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے کیسی وضاحت فرما دی! طریق کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس پر علما نے کلام نہ فرمایا ہو، تمام تعلیمات کتابوں میں درج ہیں اور ہر دور میں علما اس کو پیش فرماتے رہے ہیں، اس لیے ہم بھی پیش کر رہے ہیں۔ (معرفت حق)

شیخِ کامل کی علامت

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چوں بسے ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

چوں کہ آدمی کی صورت میں بہت سے ابلیس موجود ہیں، اس لیے ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہیے، یعنی مرید ہونے میں جلدی نہ کرنا چاہیے۔

اس کی شرح میں حضرت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہٗ ''کلیدِ مثنوی'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ کے شیخ ہونے کی علامات یہ ہیں:

۱۔ کسی کامل کی خدمت میں مدت تک مستفید ہوا ہو۔

۲۔ اہلِ علم واہلِ فہم اس کو اچھا سمجھتے ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔

۳۔ اس کی صحبت سے محبّتِ الٰہی کی زیادتی اور محبّتِ دنیا کی کمی قلب میں محسوس ہوتی ہو۔

۴۔ اس کے پاس رہنے والوں کی حالت روز بروز درست ہوتی ہوئی معلوم ہو۔

یہ شخص اس قابل ہے کہ اس کو شیخ بناوے اور اس کو اکسیرِ اعظم سمجھے اور اس کی زیارت وخدمت کو کبریتِ احمر جانے۔

پس مجموعہ ان صفات کا جو شیخِ کامل میں ہونا چاہیے، یہ ہے:

۱۔ متّقی وصالح ہو ۲۔ متبع سنت ہو ۳۔ علمِ دین بقدرِ ضرورت جانتا ہو ۴۔ کسی کامل کی خدمت میں رہ کر فائدۂ باطنی حاصل کیا ہو، ۵۔ عقلا وعلما اس کی طرف مائل ہوں ۶۔ اس کی صحبت مؤثر ہو ۷۔ اس سے مریدوں کی حالت کی اصلاح ہوتی ہو۔ (کلیدِ مثنوی اول: ۶۳)

سیدنا احمد کبیر رفاعی قدس اللہ سرہٗ کی وصیّت

بزرگو! مجھے بھیک مانگنے والوں کا ڈھیڑا نہ بنانا (کہ جس طرح وہ ڈھیڑا بجا بجا کر لوگوں کو

اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں، اسی طرح تم میری تعریفیں کر کے لوگوں کو میری طرف مائل کرو۔) میری خانقاہ کو حرم (کی طرح زیارت گاہ) نہ بنانا، مرنے کے بعد میری قبر کو بت نہ بنانا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ مجھے دنیا میں اپنی طرف یکسو کر لے، سو بحمد اللہ یہ بات جمعیتِ قلب کے ساتھ حاصل ہوگئی، اور امید ہے کہ اس دنیائے کمینہ سے الگ ہونے کے وقت بھی میں خیریت کے ساتھ اس مقصود کو پہنچ جاؤں گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچّی دل جمعی حاصل ہو جائے تو پھر کسی چیز کی پروا نہیں۔

إذا صح منه الوصل فالكل هين
وكل الذي فوق التراب تراب

جب اللہ تعالیٰ سے سچ مچ وصال ہو جائے پھر اور چیزیں سب معمولی ہیں، مٹی کے اوپر جو کچھ بھی ہے مٹی ہی ہے۔ (البنيان المشيد: ۹۹)

حضرت مصلحنا و مصلح الامت قدس اللہ سرہٗ کا وصیّت نامہ

نحمده و نصلي على رسوله الكريم.

میں باجازتِ بزرگانِ دین بیعت بھی کرلیا کرتا ہوں جب کہ طالبین اس کی درخواست کرتے ہیں۔ لہٰذا عرض پرداز ہوں کہ آپ حضرات کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میں چاروں سلسلوں میں بیعت لیتا ہوں، یعنی چشتیہ، نقش بندیہ، قادریہ اور سہروردیہ میں، کیوں کہ یہ سب حضرات اہلِ حق ہیں، اکابر، اولیاء اللہ، صاحبِ سلسلہ، نیز اکابر علما سے ہیں۔ ان اکابر کی خصوصیات میں سے طریقت اور شریعت کی جامعیّت ہے، چناں چہ اتباعِ سنت اور عمل بالشریعۃ میں ان حضرات کا قدم راسخ رہا ہے۔

اتباعِ سنت کی وصیّت: اس لیے حالاتِ زمانہ کو دیکھتے ہوئے یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ان بزرگوں کی خصوصیات کو سمجھا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبتِ باطنی کو ان حضرات کے توسل سے حاصل کیا جائے اور ان کی عقیدت ومحبّت کو حرزِ جان بنایا جائے، اس لیے کہ یہ حضرات مقبولانِ حق ہیں۔ اور مقبول اسی لیے ہیں کہ انھوں نے اتباعِ رسول میں خود کو فنا کردیا تھا، لہٰذا ہم کو جب ان سے محبّت ہے تو ان کے سارے اقوال و اعمال و احوال سے بھی محبّت ہونی چاہیے۔ اور ان کے حالات میں سب سے نمایاں حال جو ان حضرات کا طغرائے امتیاز تھا اور یہ حضرات ان میں سب سے ممتاز تھے، ان کا یہی اعتصام بالسنۃ اور اتباعِ شریعت تھا۔ شیخ حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

> ہر یکے از اولیا بر قدر علو درجہ خویش در متابعتِ سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) دمے وقدمے دارد کہ یکے بدیگرے نرسد و فہم آں او را نبود۔

سلاسلِ اربعہ کی سیرت کو پیشِ نظر رکھیں: چناں چہ میں ان لوگوں کو جنھوں نے مجھ سے بیعت کی ہے خصوصاً اور ہر آمد و شد رکھنے والے کو عموماً یہ وصیّت کرتا ہوں کہ ان مشائخِ کرام کے طریق کو لازم پکڑیں اور اتباعِ سنت، نیز دیگر اعمال میں ان حضرات کی سیرت کو پیشِ نظر

رکھیں، اور جملہ صالحین کے حالات وملفوظات کو عموماً اور ان سلاسلِ اربعہ کے مشائخ کے ملفوظات وحالات کو خصوصاً نقلِ مجلس بنائیں، تاکہ صحیح علم ہوتا رہے، اور ان سب حضرات کی جانب سے ہماری طرف سلسلۂ فیض جاری رہے۔

میرا شجرہ: حضراتِ مشائخ کا دستور ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو شجرہ مرحمت فرمایا کرتے ہیں، پس جو لوگ کہ مجھ سے تعلّق اور محبّت رکھتے ہیں وہ میری اس وصیّت کو بمنزلہ شجرہ ہی کے تصور کریں، اور اس کو کبھی کبھی پڑھ لیا کریں، تاکہ ان مشائخ سے عقیدت اور محبّت تازہ ہو کر ان سے استجلابِ فیض کا ذریعہ بنے۔

بیعت کی غرض: جو لوگ مجھ سے بیعت ہوتے ہیں اور سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ انھیں کوئی دستور العمل یا نظامِ کار بتا دیا جائے، تاکہ وہ آیندہ اس کے مطابق کام کریں، تو اس کے متعلق یہ سمجھنا چاہیے کہ ہمارے لیے تو دستور العمل یہی شریعت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دنیا میں بھیجا ہے، اسی کا اتباع پہلے بھی ضروری تھا اور اب بیعت ہونے کے بعد بھی لازم ہے، بلکہ بیعت کی غرض اپنے کو شریعت کے مطابق بنانا ہے۔ شریعت کا اتباع تو ہر مسلمان پر فرض ہے، مگر بیعت سے اس کا نیا اہتمام مقصود ہوتا ہے، اور یہ سنت سے ثابت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ''القول الجمیل'' میں اس پر نہایت محققانہ کلام فرمایا ہے، چناں چہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سنت اللہ یونہی جاری ہے کہ امورِ خفیہ جو نفوس میں پوشیدہ ہیں ان کا ضبط افعال واقوالِ ظاہری سے ہو اور افعال واقوال ان امورِ قلبیہ کے قائم مقام ہوں، چناں چہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قیامت (وغیرہ) کی تصدیق امرِ مخفی ہے تو اقرار باللّسان کو تصدیقِ قلبی کے قائم مقام کیا گیا۔ اور جس طرح سے کہ رضامندی بائع ومشتری کی قیمت اور مبیع کے دینے میں امرِ مخفی ہے تو ایجاب وقبول کو قائم مقام رضائے مخفی کے کر دیا، فکذلك التوبة والعزيمة على ترك المعاصي والتمسك بحبل التقوى خفي مضمر، فأقيمت البيعة مقامها. اسی طرح توبہ اور ترکِ معاصی کا عزم کرنا اور تقوی کی رسی کو مضبوط پکڑنے کا قصد امرِ مخفی اور پوشیدہ

ہے، تو بیعت کو اس کے قائم مقام کردیا گیا۔ (شفاء العليل : ١٦)

اس سے معلوم ہوا کہ بیعت کا حاصل اپنے سابقہ گناہوں سے توبہ کرنا اور آیندہ کے لیے ترکِ معاصی کا عزم کرنا اور تقویٰ کی رسی کو مضبوط پکڑنا ہے۔ (وصیۃ السالکین: ۸)

حضرت مصلح الامت قدس اللہ سرہٗ کی ایک اہم نصیحت ووصیّت

فرمایا کہ اب اتنے دنوں کے بعد اس بڑھاپے میں جب کہ کسی چیز کی تحصیل کا وقت باقی نہیں رہا، یہ بات سمجھ میں آئی کہ انسان کو کسی کمال کی تحصیل سے جو چیز مانع ہوتی ہے وہ اس کا کبر و عار ہے، کیوں کہ یہی چیز اس کو کسی کامل کے سامنے جھکنے سے منع کرتی ہے، ورنہ ہر ہی زمانے میں اہلِ کمال رہتے ہیں جن سے کمال حاصل کیا جاسکتا ہے، مگر اسی عار و استکبار کی بنا پر ان کے سامنے جھکتے نہیں، اس لیے کچھ حاصل بھی نہیں ہوتا، کورے کے کورے ہی رہ جاتے ہیں۔ آدمی جب خودی و تکبّر کو چھوڑتا ہے تب کچھ حاصل ہوتا ہے۔

ہر کجا پستی است آب آنجا رود

میں حضراتِ اہلِ علم کو خصوصاً اس جانب متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ آج علما و طلبا کو کوئی کمال جو نہیں حاصل ہو رہا ہے، تو اس کی وجہ یہی ان کا عار و تکبّر ہے، یہی ان کی راہ مارے رہتا ہے، اس کو اگر سمجھ لیں اور ہمت کر کے اس کو ترک کردیں تو کمال کے درجہ کو پہنچ سکتے ہیں۔

چناں چہ جن لوگوں کو کچھ حاصل ہوا ہے وہ اپنے کو مٹانے اور کسی کے آگے خود کو گرانے اور اپنے کبر و عار کو ختم کرنے ہی سے حاصل ہوا ہے۔ وما توفيقي إلا بالله. (الافادات الیومیۃ: ۳۶۰)